محمد ثروت خاں

عہد غزنوی کی علمی اور ادبی سرگرمیاں

غزنوی دور کا ذکر آتے ہی عام طور پر محمود کی لشکر کشی اور ہندوستان پر اس کے حملوں کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ ذرا اور غور کیجئے تو زیادہ سے زیادہ شاعروں کی سرپرستی فردوسی کے ساتھ محمود کی ناانصافی اور البیرونی کی علمی کدوکاوش کا دھندلا سا نقشہ تیار ہو جائے گا۔ بس یہ ہو گی کل تصویر اس حکمران خاندان کے عہد کی جس نے وسط ایشیا کے اہم علاقوں پر دو سو سال (۳۶۶ - ۵۷۹ھ) تک حکومت کی اور جس نے تاریخ پر بڑے گہرے اثرات چھوڑے ہیں لیکن غزنوی دور کا یہ بڑا ہی بھدا اور ناقص تصور ہے جو ہماری مروجہ تاریخوں کی وجہ سے ذہنوں میں قائم ہو گیا ہے۔ اس مضمون کا مقصد غزنوی دور کے متعدد پہلوؤں میں سے صرف ایک پہلو پر جو علم و ادب سے متعلق ہے روشنی ڈالنا ہے۔

فردوسی اور البیرونی کے کارنامے کتنے ہی اہم سہی وہ اس دور کی عظیم علمی اور ادبی جد و جہد کا ایک مختصر حصہ ہیں۔ اسی طرح محمود غزنوی کی ادبی سرپرستی کتنی ہی بڑھی ہوئی کیوں نہ ہو وہ اس دور کے عام علمی ذوق و شوق کی تاریخ کے ایک باب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

عظیم شخصیتوں کا دور

غزنوی دور کا عہد زریں پانچویں صدی ہجری ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ جب غزنی سے لے کر قرطبہ تک مسلمانوں کی ذہنی قوتیں اپنے پورے عروج پر تھیں۔ حدیث میں خطیب بغدادی (۳۹۲-۴۶۳ھ) اور ابن عبدالبر (۳۶۸-۴۶۳ھ)۔ علم الکلام میں غزالی (۴۵۰-۵۰۵ھ) اور ابن حزم (۳۸۴-۴۵۶ھ)۔ تفسیر میں زمخشری (۴۶۸-۵۳۸ھ)۔ تصوف میں عبداللہ انصاری (۳۹۶-۴۸۱ھ) اور عبدالقادر جیلانی (۴۷۰-۵۶۱ھ)۔ فلسفہ میں ابن مسکویہ (۳۳۰-۴۲۱ھ)۔ طب اور حکمت میں ابن سینا (۳۷۰-۴۲۸ھ) ریاضی اور سائنس میں ابن ہیثم (۳۵۴-۴۳۰ھ)۔ اور عمر خیام (متوفی ۵۱۵ھ)۔ ادب میں حریری (۴۴۶-۵۱۵ھ)۔ شاعری میں ابن زیدون (متوفی ۴۶۳ھ)، ابن عمار

(۴۲۲-۴۷۷)، انوری (متوفی ۵۸۵ھ) اور معزی (متوفی ۵۱۸ھ)۔ وہ عظیم ہستیاں ہیں جو ہر قوم اور ہر زمانہ کے لیے باعث افتخار رہیں۔ اگرچہ یہ سب پانچویں صدی ہجری سے تعلق رکھتی ہیں لیکن ان سب کا تعلق دنیائے اسلام کے ان علاقوں اور ملکوں سے ہے جو غزنی کی سلطنت کی حدود سے باہر تھے۔ غزنوی سلطنت آخر اسلامی دنیا ہی کا ایک حصہ تھی۔ اور جب بیشتر اسلامی دنیا میں ایسی بے مثل علمی اور ادبی جد و جہد جاری ہو تو مملکت غزنی کے شہر اور آبادیاں اس سے متاثر ہوئے بغیر کس طرح رہ سکتی تھیں۔ ماوراء النہر اور خراسان کے مردم خیز خطے پانچویں صدی کی پہلی چوتھائی میں غزنوی سلطنت کا جزو تھے۔ بلخ، ہرات، نیشاپور، مرو، بخارا اور خوارزم کے علمی مرکز تیس چالیس سال سے زیادہ مدت تک غزنوی حکومت کے تحت رہے جس کی وجہ سے خراسان کی یہ علمی تحریک مشرق میں غزنی اور لاہور تک پہنچ گئی اور غزنی کا شہر ایک وسیع و عریض سلطنت میں آباد اہل علم و فن کا ملجا اور ماویٰ بن گیا۔ اور جب غزنی کی شمع بجھی تو اس نے بجھتے بجھتے لاہور میں ایک اور علمی شمع روشن کر دی۔ غزنی اگرچہ ایک شہاب ثاقب کی طرح اپنی آب و تاب دکھا کر جلد ہی گوشۂ گمنامی کی سمت بڑھ گیا لیکن لاہور کی علمی مرکزیت قائم رہی اور یہ شہر آج بھی پاکستان کا سب سے بڑا اور اسلامی دنیا کا ایک ممتاز علمی مرکز ہے۔

غرض کہ جب اسلامی دنیا میں حصول علم کی تڑپ اپنے شباب پر تھی تو غزنی اور غزنی کے ماتحت علاقے بھی جن میں سے بیشتر پہلے ہی سے علمی مرکزیت حاصل کئے ہوئے تھے اس دوڑ میں دوسرے اسلامی ممالک سے پیچھے نہ تھے۔ چنانچہ محدثین میں حاکم اور بیہقی، ادیبوں میں بدیع الزمان ہمدانی، صوفیا میں ابوسعید ابوالخیر، ماہرین لسانیات میں جوہری اور شعرا میں فردوسی جیسی عظیم ہستیاں موجود تھیں۔ اور جب خراسان کا مردم خیز خطہ سلطنت غزنی کے قبضہ سے نکل گیا تو باقی ماندہ محدود علاقہ میں بھی البیرونی، علی ہجویری اور سنائی جیسی ہستیاں پیدا ہوئیں۔ جب ہم ان عالموں، ادیبوں اور شاعروں پر نظر ڈالتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی اسلامی دنیا کی عام علمی جد و جہد پر نظر کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان سرگرمیوں کا وجود کسی محمود یا مسعود غزنوی کا مرہون منت نہیں ہے۔ بلکہ خود ان علم پرست سلاطین کا وجود اور ان کا علمی ذوق و شوق اس زمانہ کی عام علمی فضا اور ماحول کا رہین منت ہے۔ یہ حقیقت ہمیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ سلاطین غزنی خواہ کتنے ہی سرپرست علوم سہی لیکن یہ علمی سرگرمیاں ان کی پیدا کی ہوئی نہیں تھیں بلکہ وہ خود ان علمی سرگرمیوں کی پیداوار تھے۔

اہل علم کی سرپرستی

علم وادب کی سرپرستی کے معاملہ میں سلاطین غزنی میں محمود، مسعود، ابراہیم اور بہرام شاہ کو خاندان کے دوسرے حکمرانوں کے مقابلہ میں امتیاز حاصل ہے۔ یہ سلاطین زیادہ تر شعرا کی سرپرستی کیا کرتے تھے۔ ان میں صرف سلطان ابراہیم ایک ایسا حکمران تھا جس کی فیاضیاں شعراسے زیادہ علما پر ہوئیں۔ ویسے محمود کے متعلق بھی ہمیں معلوم ہے کہ وہ انعام واکرام سے قطع نظر ہر سال ایک لاکھ درہم علماء کے وظائف پر خرچ کرتا تھا۔ لیکن یہ رقم شعراء پر صرف ہونے والی رقموں کے مقابلہ میں ایک حقیر رقم ہے۔ مسعود نے اپنے باپ کے مقابلہ میں اہل علم کی طرف زیادہ توجہ دی۔ چنانچہ البیرونی کا شاہکار "قانون مسعودی" اسی کی سرپرستی میں لکھا گیا۔ اسی طرح علامہ ثعلبی نے اپنی مشہور کتاب "یتیمہ" کا تتمہ مسعود ہی کے نام سے نامزد کیا ہے۔ اسی طرح قاضی القضاۃ امام ناصحی نے فقہ مسعودی کے نام سے ایک کتاب سلطان مسعود کے نام پر تالیف کی۔ لیکن ان چند مثالوں کے مقابلہ میں شعراء پر اس کے اخراجات کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک شب مجلس طرب میں مسعود نے شاعر زینتی کو ایک لاکھ درہم اور ایک ہاتھی دیا۔ اسی طرح ۴۲۲ھ میں عید الفطر کے موقعے پر جب دربار ہوا اور شعرا نے قصائد پیش کئے تو مسعود نے ہر شاعر کو بیس ہزار درہم، زینتی کو پچاس ہزار درہم اور عنصری کو ایک ہزار دینار سرخ دیئے۔

شاعروں پر فضول خرچی

محمود کے دربار میں چار سو شاعر تھے۔ ایک دفعہ جب شہزادہ مسعود خراسان کی ایک مہم سے واپس آیا تو اس کی تہنیت میں شعراء نے قصائد لکھے۔ محمود نے ہر شاعر کو بیس بیس ہزار درہم اور عنصری اور زینتی کو پچاس ہزار درہم عنایت کئے۔

ایک مرتبہ محمود کی فرمائش سے عضائری نے ایاز کی تعریف میں ایک رباعی لکھی جس کے صلہ میں سلطان نے دو ہزار دینار[1] عطا کئے۔ اس پر عضائری نے ایاز کی تعریف میں پوری غزل کہہ دی تو سلطان نے یہ صلہ دوچند کر دیا۔ اس کے شکریہ میں عضائری نے ایک قصیدہ لکھا۔ جب یہ قصیدہ پیش ہوا تو سلطان نے چودہ ہزار درہم بھر دیئے۔ اس عطیہ کو دیکھ کر ملک الشعراء (عنصری) نے بیحد پیچ وتاب کھایا۔

---

[1] تاریخوں میں دینار لکھا ہے لیکن یہ مبالغہ ہے۔ صحیح رقم درہم ہی معلوم ہوتی ہے (مولف)

اور عضائری کے قصیدہ کے جواب میں ایک قصیدہ لکھا۔ اس پر محمود نے عنصری کو بھی اسی قدر رقم دیدی
کہا جاتا ہے کہ ایک دن کشمیری غلام ایاز کے چہرہ پر پیچ در پیچ زلفوں کو دیکھ کر محمود بے قابو ہوگیا لیکن جلد ہی زہد نے قدم روک لیے اور ایاز کو حکم دیا کہ زلفیں قطع کر دے۔ فرمانبردار غلام نے اسی وقت حکم کی تعمیل کی۔ لیکن بعد میں سلطان کو پشیمانی ہوئی جس پر عنصری نے یہ رباعی پڑھی:

کی عیب سر زلف بت از کاستن است　　چہ جائے بہ غم نشستن وخاستن است
جائے طرب ونشاط ومے خواستن است　　کاراستن سرو ز پیراستن است

یہ اشعار سلطان کو اتنے پسند آئے کہ عنصری کا منہ تین بار جواہرات سے بھر دیا۔
یہ ان ہی فیاضیوں کا نتیجہ تھا کہ جب عنصری کی سواری نکلتی تھی تو چار سو زریں کمر غلام اس کے ہمراہ ہوتے تھے اور جب فرخی باہر نکلتا تھا تو بیس زریں کمر غلام سواری کے جلو میں چلتے تھے اور چار سو اونٹوں پر سامان بار ہوتا تھا اور سونے چاندی کے برتن استعمال میں آتے تھے۔
جب ہم شعرا ایران فضول خرچیوں کا مقابلہ خلافت راشدہ کے زمانہ سے کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حکمرانوں کی ذہنیت میں کس قدر زبردست انقلاب آگیا تھا۔ کہاں وہ زمانہ تھا کہ خالد بن ولید نے ایک شاعر کو دس ہزار درہم دیدیئے تھے تو حضرت عمرؓ نے جواب طلب کرلیا تھا اور لکھا تھا کہ اگر یہ رقم خزانہ سے دی ہے تو ناجائز ہے اور اگر اپنی جیب سے دی ہے تو فضول خرچی ہے۔ یا اب یہ زمانہ آگیا تھا کہ سارا خزانہ قصیدہ گو شعرا ہی پر لٹا دیا جاتا تھا۔ شعرا کی ایسی سرپرستی اور ان پر اتنی فضول خرچی غالباً اموی اور عباسی دور میں بھی نہیں کی گئی۔ عباسیوں کے دربار میں شعراً سے زیادہ علما اور حکما کی سرپرستی کی گئی۔ غزنوی دربار میں یہ چیز برعکس ہوگئی۔

ممتاز شعرا

عہد غزنوی میں شاعری کے لیے اس سازگار فضا کا جائزہ لینے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ اس دور کے چند ممتاز شاعروں کا تذکرہ بھی کر دیا جائے۔
عنصری ۔ سب سے پہلے عنصری متوفی ۴۳۱ھ / ۱۰۳۹ء کو لیجئے جو محمود غزنوی کے دربار کا ملک الشعرا تھا۔ عنصری اگرچہ بنیادی طور پر ایک قصیدہ گو شاعر ہے لیکن اس نے قصائد کے علاوہ مثنویاں بھی لکھی تھیں جو اب ناپید ہیں۔ اس کے تیس ہزار اشعار میں سے اب صرف تین ہزار باقی ہیں۔ اس کا دیوان تہران میں چھپ چکا ہے جس میں قصائد کے علاوہ چند غزلیات اور رباعیاں بھی ہیں۔

فرخی محمود کے دربار کا دوسرا بڑا شاعر فرخی متوفی ۴۲۹ھ سجستان کا رہنے والا تھا۔ غزنی آنے کے بعد اس کو عروج ہوا۔ بقول شبلی "اس کے کلام کا جوہر زبان کی صفائی، سلاست اور روانی ہے اس نے اس ابتدائی زمانہ میں زبان کو اس قدر صاف کر دیا تھا کہ آج کی زبان معلوم ہوتی ہے۔" فتح سومنات پر اس کا قصیدہ

فسانہ گشت و کہن شد حدیث اسکندر　　سخن نو آر کہ نو را حلاوتیست دگر

اور سلطان محمود کی وفات پر اس کا مرثیہ

شہر غزنیں نہ ہماں است کہ من دیدم پار　　چہ فتاد است کہ امسال دگرگوں شد کار

فارسی زبان کی بڑے معرکے کی نظمیں ہیں۔

اسدی - عنصری اور فرخی کے بعد دربار محمود کے شعراء میں اسدی، عسجدی اور عضائری کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ اسدی متوفی ۴۲۵ھ/۱۰۳۳ء طوس کا باشندہ تھا۔ اس کی اہمیت ایک تو اس وجہ سے ہے کہ وہ فردوسی کا استاد تھا اور دوسرے اس وجہ سے کہ اس نے اپنے قصائد کے شروع میں بطور تمہید مناظرات لکھے ہیں جن کی علمی دنیا میں بڑی شہرت ہے۔

عضائری - اس دور کا ایک ممتاز شاعر عضائری متوفی ۴۲۶ھ/۱۰۳۴ء شروع میں رے کے بویہی حکمراں بہاء الدولہ (۹۹۸ - ۱۰۱۲) کے دربار سے منسلک تھا۔ وہ وہاں سے ہر سال ایک قصیدہ لکھ کر محمود کے پاس بھیجتا تھا جس کے صلہ میں ایک ہزار دینار ملا کرتے تھے۔ بہاء الدولہ کی وفات کے بعد غزنی آگیا اور محمود سے گراں قدر انعامات حاصل کئے جن کا پہلے تذکرہ ہو چکا ہے۔

عسجدی - قصیدہ گو شعراء میں عسجدی متوفی ۴۳۲ھ اس مشہور قصیدہ کا مصنف ہے جو اس نے سومنات کی فتح پر کہا تھا اور جس کا مطلع یہ ہے:

"تا شاہِ خسرواں سفرِ سومنات کرد　　کردارِ خویش را علمِ معجزات کرد

منوچہری - دربار غزنوی کا ایک اور بلند پایہ شاعر منوچہری متوفی ۴۳۲ھ ہے۔ لیکن منوچہری کا محمود کے دربار سے تعلق نہیں تھا۔ وہ شروع میں جرجان کے حکمران ملک المعالی (۴۰۳ - ۴۲۱) ابن قابوس کے دربار سے متعلق تھا اور اسی نسبت سے منوچہری تخلص کرتا تھا۔ اس کے انتقال پر غزنی آگیا اور مسعود کے دربار سے منسلک ہو گیا۔ شبلی نے منوچہری کے متعلق لکھا ہے کہ "اس کے کلام کی بڑی خصوصیت برجستگی، روانی اور شستگی ہے۔ وہ مناظر قدرت کا نقشہ نہایت خوبی سے

کھینچتا ہے۔ اگر ان اشعار کو جو اس نے قصائد کی تمہید میں لکھے ہیں الگ جمع کر دیا جائے تو غنجرل شاعری کا ایک عمدہ مجموعہ تیار ہو جائے گا۔"

فردوسی - متذکرہ بالا شعراء میں ہر شاعر اگرچہ فارسی زبان کا بلند پایہ شاعر ہے لیکن ان میں سے کسی کو بھی وہ شہرت اور مقبولیت حاصل نہ ہو سکی جو فردوسی کو حاصل ہوئی۔ فارسی کا یہ نامور شاعر طوس کا رہنے والا تھا۔ اس کا تعلق ان ایرانیوں سے تھا جو شعوبی کہلاتے تھے اور عرب کے مقابلہ میں ایران کی ہر چیز کو بہتر سمجھتے تھے۔ قدیم ایران کی عظمت اگرچہ خاک میں مل چکی تھی لیکن فردوسی کی یہ تمنا تھی کہ وہ اپنے آبا و اجداد کے پُر فخر کارناموں کو اس طرح نظم کرے کہ وہ غیر فانی بن جائیں۔ چنانچہ اس کا آغاز فردوسی نے اپنے وطن میں ۳۶۷ھ سے کیا جبکہ اس کی عمر ۴۵ سال تھی۔

فردوسی کا شاہنامہ فارسی زبان کی سب سے بڑی رزمیہ نظم ہے۔ اس نے اس کے ذریعہ ایران قدیم کو زندہ جاوید کر دیا اور ان قوم پرستوں کے حوصلے بلند کر دیئے جو ایران کی اسلامی نشاۃ ثانیہ کو ناپسندیدہ نظروں سے دیکھتے تھے یہ بیان تعجب خیز ہے کہ ایرانی قوم پرستی کا یہ کارنامہ محمود جیسے حکمراں کے دربار میں پایۂ تکمیل کو پہنچا جو کفر کے مقابلہ میں اسلام کی تلوار سمجھا جاتا رہا ہے اور جس نے تاریخ میں ایک بت شکن کی حیثیت سے شہرت حاصل کی ہے۔

فردوسی کی عجم پرستی ہی کا اثر ہے کہ شاہنامہ خالص فارسی میں لکھا گیا ہے اور اس میں وہ عربی الفاظ جو فارسی زبان کا اس وقت تک جزو بن چکے تھے کم سے کم استعمال کئے گئے ہیں۔

فردوسی نے شاہنامہ لکھ کر فارسی کی رزمیہ شاعری کو نقطۂ کمال پر پہنچا دیا۔ بعد کے نقادوں نے فردوسی کو خدائے سخن قرار دیا۔ شاہنامہ کی ایک اور خصوصیت اس کی تاریخی اہمیت ہے اور بقول شبلی "شاہنامہ میں لڑائی کے سامان کی اس قدر تفصیل ہے کہ ہم یہ بتا سکتے ہیں کہ آج سے دو ہزار سال قبل آلاتِ جنگ کیا تھے۔ فردوسی کو واقعہ نگاری اور جذباتِ انسانی کے اظہار میں کمال تھا اور اس میں وہ تمام شعرا کا پیشرو ہے۔"

فردوسی کا شاہنامہ تو مکمل ہو گیا لیکن ایران کا مزاج اس حد تک اسلامی ہو چکا تھا کہ ایک کافر قوم کے کارناموں کو نظم کرنے کی وجہ سے فردوسی کے شاہنامہ کو عرصۂ دراز تک ہر دلعزیزی حاصل نہ ہو سکی بلکہ اس کی مخالفت ہوئی۔ اس کے جواب میں کسی شاعر نے "عمر نامہ" لکھا۔ لیکن کسی نظم کو زندۂ جاوید بنانے کے لیے صرف ایک اچھے موضوع کو تحریر میں لے آنا کافی نہیں۔ اس کے لیے والمیک، ہومر

اور فردوسی کا قلم بھی چاہیئے جو عمر نامہ کو حاصل نہ ہو سکا۔ بعد میں جوں جوں زمانہ گذرتا گیا شاہنامہ کی ہر دلعزیزی میں اضافہ ہوتا گیا اور آج جبکہ دنیا کے ہر ملک میں قوم پرستی کا دور دورہ ہے شاہنامۂ فردوسی ایران میں عہد غزنوی کے مقابلہ میں زیادہ مقبول ہے۔

شاہنامہ کا یورپ کی کئی زبانوں میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔ انیسویں صدی میں فرانسیسی اطالوی اور جرمن زبانوں میں مکمل ترجمے کئے گئے اور موجودہ صدی کے پہلے عشرہ میں انگریزی میں بھی ترجمہ ہو گیا۔ اردو میں شاہنامہ کا خلاصہ نظم کی شکل میں ملتا ہے۔

فردوسی یوسف زلیخا کے نام سے ایک مثنوی کا مصنف بھی ہے لیکن اس میں شاہنامہ والی بات نہیں۔

دوسرے دَور کے شعراء

مذکورہ بالا شعراء کے بعد جو سب کے سب محمود غزنوی کی موت کے دس سال بعد وفات پا چکے تھے تقریباً نصف صدی تک غزنی کی مملکت میں کوئی ممتاز شاعر نظر نہیں آتا۔ سلطان ابراہیم غزنوی کے زمانہ میں حالات نے پھر کروٹ لی اور تین ممتاز شاعر بہ یک وقت ظہور میں آئے۔ مسعود سعد سلمان۔ ابوالفرج رونی۔ اور سنائی۔

رونی۔ ان میں رونی اور سلمان کا تعلق مملکت غزنی کے صوبہ لاہور سے ہے۔ اہل پاکستان کے لیے ان دونوں کی اس لحاظ سے بڑی اہمیت ہے کہ وہ اس خطہ کے فارسی کے اولین ممتاز شاعر ہیں۔ فارسی شاعری کی تاریخ میں رونی اور سلمان دونوں کا مقام بہت بلند ہے۔ دونوں اپنے دور کے بہترین قصیدہ گو تھے۔ عرفی نے تو رونی (متوفی ۴۹۲ھ) کو فارسی کے سب سے بڑے قصیدہ گو انوری کا ہم پلہ قرار دیا ہے۔

سلمان۔ مسعود سعد سلمان (۴۳۸ھ - ۵۱۵ھ) لاہور میں پیدا ہوا۔ بڑا ذہین تھا۔ عربی۔ فارسی اور ہندی تینوں زبانوں کا شاعر تھا اور تینوں زبانوں میں اس کے دیوان تھے۔ اب ان میں عربی اور ہندی کے دیوان تو ناپید ہیں لیکن فارسی دیوان موجود ہے جس میں پندرہ ہزار اشعار ہیں۔ سلطان ابراہیم غزنوی اور اس کے بیٹے مسعود کے زمانہ میں وہ دو مرتبہ گرفتار ہوا جس کی وجہ سے اس کو قید و بند میں تقریباً اٹھارہ سال گذارنا پڑے۔ اس زمانہ میں اس نے جو جلیل قصائد لکھے وہ فارسی شاعری کی تاریخ میں یادگار رہیں گے۔ سلمان رہائی کے بعد شاہی کتب خانہ کا منتظم مقرر ہوا اور اسی زمانہ میں اپنے کلام کو ترتیب دیا۔ اس کا دیوان آقائے رشید یاسمی نے تصحیح و ترتیب کے بعد تہران سے شائع کیا ہے۔

سنائی - عہد غزنوی کے آخری عظیم شاعر سنائی ہیں جو فردوسی کے بعد اس دور کے سب سے بڑے شاعر ہیں ۔ سنائی (متوفی ۵۴۶ھ) خاص غزنی کے رہنے والے تھے ۔ انہوں نے عام رواج کے مطابق شروع میں شاعری کو پیشہ بنا رکھا تھا اور بہرام شاہ کے دربار میں قصیدہ گوئی پر زور طبع صرف کرتے تھے ۔ بعد میں انہوں نے یہ زندگی ترک کر کے گوشہ نشینی اختیار کر لی اور سلوک کی ایسی منزلیں طے کیں کہ ممتاز صوفیا میں ان کا شمار ہونے لگا ۔ اب وہ جو شعر کہتے تھے وہ ان کے قلبی واردات کے ترجمان ہوتے تھے۔

سنائی کی شاعری کا موضوع تعمیر اخلاق اور تصوف کے مسائل ہیں ۔ وہ فارسی میں اخلاقی اور صوفیانہ شاعری کے بانی ہیں ۔ انہوں نے اپنے صوفیانہ خیالات کو اس طرح شعر کا جامہ پہنایا کہ شاعری کی لطافت اپنی جگہ قائم رہی ، بلکہ ایک نقاد کے الفاظ میں " وہ شعریت میں تمام قدیم شعرا سے آگے بڑھ گئے " جوش و سرمستی ان کے کلام کی خصوصیت ہے ۔ وہ پہلے شاعر ہیں جنہوں نے تمثیل اور تشبیہ کے ذریعہ مسئلہ کی وضاحت کی ۔ قصائد میں بھی ان کا پایہ بلند ہے ۔ ان کے قصائد پختگی اور برجستگی میں سوائے فرخی کے تمام معاصرین اور قدما سے بڑھے ہوئے ہیں "

سنائی نے فارسی شاعری کا رُخ موڑ دیا ۔ انہوں نے پہلی مرتبہ شاعری سے ایسا کام لیا جو مفید ہے ۔ وہ ایک ایسے شاعر ہیں جن کا کلام اسلامی روح سے ہم آہنگ ہے اور اس لحاظ سے اگر ہم یہ کہیں کہ سنائی نہ صرف اپنے عصر کے بلکہ پورے غزنوی دور کے سب سے زیادہ باعظمت شاعر تھے تو مبالغہ نہ ہوگا ۔ وہ بلاشک و شبہ فارسی شاعری کے مجدد ہیں ۔ انہوں نے فارسی شاعری کے اس عہد زریں کا دروازہ کھول دیا جس کے ممتاز نمائندے عطار ، رومی ، حافظ اور جامی ہیں ۔

سنائی کی تصانیف ایک دیوان اور سات مثنویوں پر مشتمل تھیں ۔ لیکن اب صرف دیوان اور ایک مثنوی "حدیقہ" موجود ہے ۔ باقی مثنویاں ناپید ہیں ۔ دیوان کے مقابلہ میں "حدیقہ" نے ایران میں بڑی ہر دلعزیزی حاصل کی لیکن پروفیسر براؤن کا خیال ہے کہ " دیوان میں مثنوی کے مقابلہ میں زیادہ اچھے اشعار ہیں "

تصوف میں سنائی کا جو مقام ہے اس کا اندازہ مولانا روم کے ان دو اشعار سے کیا جا سکتا ہے :

عطار روح بود سنائی دو چشم او　　　ما از پئے سنائی و عطار آمدیم
ترک جوشے کردہ ام من نیم خام　　　از حکیم غزنوی بشنو تمام

سنائی کی تصنیفات تصوف کی مستقل کتابیں ہیں ۔ انہوں نے ایک قصیدہ میں جس کا نام "رموز الانبیا و کنوز الاولیا" ہے تصوف کے معارف و حقائق بیان کئے ہیں ۔ ان کا دیوان تیس ہزار اشعار پر مشتمل ہے ۔ (باقی)